ایں جانب

دو ملک و ہفتاد و ملت دیدہ ام

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

حضرت سچ تو یوں ہے کہ گردش فلکی کے دریعے زمانے اس کون و مکان کی کشتی کو گرداب بلا میں ڈال کر حباب آسا بنا دیا ہے۔ سارے مکینوں کو اپنی اپنی جانوں کا خطرہ رہتا ہے۔ مگر یہ ان کی نادانی ہے کہ وہ خطرہ میں سمجھتے ہیں جب

ہے الزام یہ کہ دیکھے افسوس ہیں ؛ اسکی بلا ہے دل خانہ خراب میں نیا سمجھ رہا ہے۔ وہ کی باتوں کی صرف ملاقات عمل کیجئی جانیے۔ تم نے یہ نہیں کہ ملزم کو چند روز کے واسطے جیل کی ہوا کھلانے کو بھیج دیا جاتا ہے۔ اور انگلستان بھیجکر پھر نکال دیا جاتا ہے۔ یہاں بھی آگ مٹی اور پانی ہر وقت مخلوقات کے نکالنے کو موجود ہیں۔ سیلاب سونا چاندی اگل میں تپتا اور تمام اخبار مٹی میں دبا کر گھما اور پیٹے جاتے ہیں۔ تناسخ کے مسئلہ کو غلط کہنا گویا بدیہیات سے انکار کرنا ہے۔ دنیا کی بازاری عورتیں مرنے کے آگ میں جل کر اور زمین میں دب کر ہی بہشت کی مستحق بنتی ہیں۔ وہاں کی سامعہ دنیا دوسری دنیا پھر موجود ہے حضرت آدم کی طرح بہشت سے نکل کر تیا جنم لے کے دنیا میں آتی ہیں۔ اور عاشق مزاجوں کے سپرد ہو جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ دور بدادا ہوا تک قدرت کے قانون یوں ہی ہوتا رہے گا۔ ورنہ اگر مرنے کے یہ سب معدوم ہو جائیں۔ تو قدرت کے ہاتھ بیکار نہ ہو جائیں گے۔ کیا وہ ایک دفعہ ان سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار بیٹھا رہے گا۔ اور کب تک بیکار بیٹھا رہے گا۔ کیا اسکا یہی منشا ہے کہ کیا اسکی مخلوق کی جانی ہوئی یہ شکل نہیں۔ بیکار رہا تو کیا کرنا دیکھ نہیں تو جو تباہی ہی سیارہ کا سبب ہے کہ اس کو مار نے اور جلانے والا کہتا ہیں کہ مار کے پھر بنا دیتا ہے۔ خدا میں خدا کے بندوں سے کوئی دست پناہ مانگی۔ تو طوفان باد و باراں قحط وبا ہے طاعون وغیرہ سے ملکیاں کرنا شروع کیا تھا۔ اب یہ سب سے انتہا درا در مرگ مفاجات کا کھٹکا ہی ہے

دیکھا جا رہا ہے کہ جو کل اچھا بھلا تھا۔ آج زمین کا پیوند ہو گیا ہے ہر گھنٹہ میں ہزاروں لاکھوں دریاؤں قبرستانوں اور مسانوں کے حوالے ہو رہے ہیں۔ ہزار کوئی جی چرائے۔ جان چھپائے۔ مگر فرشتگان قضا و قدر گردن میں ہاتھ دے کے دھکیل ہی دیتے ہیں تاکہ وہ گناہوں کے میل کچیل سے پاک ہو جائے۔ پھر نئے سانچہ میں نیا قالب دے کے اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ پچھلی کھلیں سب بھول بسر جائیں ورنہ عیش منغص ہو گا۔ کیا یہ معلوم نہیں کہ بڑے دن ہزاروں بار آیا اور اب پھر آ رہا ہے ؛

دل کے پھپولے جل اٹھے دل ہی کے داغ سے

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

لو بھئی۔ کچھ ہوئی۔ ایں جانب کو چھوٹے دنوں کا رونا پڑ گیا۔ کر دنیا جہان بات کہنے میں ٹل جاتا تھا۔ پیا کوئی رات بغیر کسی کے ساتھ سو گئے سو جاتے۔ ہزار کروٹیں بدل بدل کے پسلیاں توڑتے تھے۔ مگر ٹس سے مس نہ ہوتی تھی۔ افسوس وہ دن رفو چکر ہونے کو ہو گئے اور بڑا دن آگے آ رہا ہے۔ ہمارے اس ذی رسالہ ہزار سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے۔ کہ آفتاب سوا نیزہ پر آ جائے گا۔ حضرت ہندو دلی درد رست گرہاں اب سے بھر گر رہی ہے جیسے ٹک کر وڑ میل روز نے زمین کے قریب آنے کے لئے آفتاب بھی لاکھ میل نیچا ان پر چند روز ہر روز اترنے زمین کے گرد پھر کا شمار رہے گا۔ آخر کبھی نہ کبھی ہزار دو ہزار برس میں وہ دن بھی آ جائے گا۔ کہ زمین سے سوا گز او نچا رہ کے جلنے والے سورج کی کچھ پر زمین کو دہکتی ہوئی انگیٹھیاں بنا دے گا۔ خیر یہ تو جب ہو گا۔ تب ہو گا۔ مگر اب کے جو بڑا دن آ رہا ہے۔ اس کے انتہائی کرتوت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بڑھیا رنگ کا یاد رہے گا۔ خدا کرے کہ اسکے رنگ میں بھنگ نہ پڑے۔ اور وہ انتظام یہ کر گئے رہنے سے گرو کیا لوگوں کے لئے نصف قیمت پر ریلوے کے ٹکٹ فروخت کرنے شروع کر دئے۔ مگر یہ رعایت بھی انہیں جوگوں کے ترنوالہ خورد ان کے واسطے مفید ہوئی۔ جو روٹی کھا کر دن بھلائے۔ کیونکہ پیچھے کو آگے کے مصداق ہیں ہندوستانی بچے پیچھے چلانے اور فلکی

میں پھاگ کھیلنے والے اس رعایت سے کب مستفید ہو سکتے ہیں جن کو دو نون وقت کشمش پستہ بادام چلغوزہ اخروٹ انار ناسپاتی سیب وغیرہ میوے کے باسی ٹکڑے بھی نصیب نہیں ہوتیں۔ اگر وہ کسی کھاتے پیتے کے ہاتھ لگ جائیں۔ تو اسی کاگن گاسے کو لنگوٹی جھاڑ منہ چکنا چپڑا کر اس گاڑی ناکرایہ کے ٹٹو پر سواری گانٹھ بیٹھتا۔ اور جس کا کھاتے اس کا گاتے کی مثل کو گلا پھاڑ پھاڑ کے پورا کر دکھاتا۔ اس رعایت نے مفلس قلاشوں کی سفید پوشی کا اور بھی بھانڈا پھوڑ دیا کہ وہ اپنا پیٹ پالنے اور سفید پوشی سہانے کے لئے کسی مالدار سے زبان زوری و بدلگامی کریں۔ یا کرایہ کے ٹٹو پر لدنے کے لئے کسکو جھائیں جھپا دے کر دام قرض و دام لائیں۔ افسوس ہندوستانیوں نے پہلے ہی نادانی سے گہر پھونک تماشہ دیکھ لیا اور جل بھن کے کاسے کو ٹکر کے نام سے مشہور ہو گئی اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو یار میں پھر تھے اور بڑے دن پر شیدہ دل والی بڑی بڑی مسوں سے ڈالی دکھا کر اپنے بدن کو مس کرنے کے لئے اسی کے اول اور دوم درجہ میں بیٹھ کر دوڑ سے دوڑے پھرتے مگر اب بیسوں کو جن کے ہاتھ نہ سلی۔ منہ لگائے کون کہ منہ کالا ہوتا ہے۔ سچ ہے بے زر عشق ٹیں ٹیں۔ نہ وہ جوش ہے نہ خروش مگر اس حالت میں عزنشن کریں۔ تو دست بدست دگرے۔ پا بدستے دگرے کے مصداق ہوں ؛ (ذبیح اڈیٹر)

یاران ہم قالب

خواب میں دیکھا ہے اک معشوق کو اب کیا کروں
دل یہ کہتا ہے کہ اسکو ڈھونڈ یا رب کیا کروں

دیکھو تمہیں ہمارے جوبن کی قسم جو ہمیں ہاتھ لگاؤ

بھئی مولانا جی۔ لو آج ایک بات پوچھتے ہیں جو سچ سچ بتا دو۔ تمہیں اپنی بی بی اور جناب عالی ڈاڑھی کی قسم کہ اگر کوئی چہار دہ سالہ پری جمال۔ حور وش مہ جبین آپ کی ترسی ترسائی گود میں بیٹھ کر اور گلے میں اپنی گوری گوری بانہیں ڈال کر بصد ناز و ادا یہ کہے کہ دیکھو تمہیں ہمارے جوبن کی قسم جو ہمیں ہاتھ لگاؤ تو زبان سے کہنا کہ کیا پیر ہی آپ کا زہد و تقویٰ سلامت رہ سکتا ہے۔ قبلہ ہمیں تو یقین نہیں۔ خواہ تم ہزار کہو۔ حضرت یہ سن سال الحمد کا زمانہ وہ کا فر زمانہ ہے کہ اچھے اچھے پارساؤں کی پارسائی ایک ذرا سے اشارے میں خاک میں ملا دیتا ہے۔ اور کیسا ہی تارک الدنیا زاہد صد سالہ کیوں نہ ہو بھلا ممکن ہے کہ کسی پری جمال حسن معشوق کے پھڑکا دینے والا فقرہ سے اور اپنے ہوش میں رہ جائے۔ محال اور بالکل غیر قابل یقین یا دشت پیری کا آسرا۔ حضرت شاید آج کہیں سبزی خانہ میں آپ نے بھی بے چھنی چڑھائی ہے۔ جو آنکھوں میں سرسوں پھولی ہوئی ہے جنگل کی ہری ہری گھاس کھاؤ۔ جو نشہ کم ہو۔ داستان کی داستان بیان کر گئے اور سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔ حضرت اور نہ کبھی آئے گا آپ گوشہ کے بیٹھنے والے ان باتوں کو کیا جانیں۔ میاں یہ کیفیتیں اور مزے...... کچھ ہمارے ہی سے ہیں ہائے وہ کسی پری پیکر کا فرادا کا اپنے چاہنے والے کی محبت بھری وہ ایسی کسی بھا قصور پر تیوریاں چڑھا کر الگ جا بیٹھنا۔ اور پھر آپ ہی آپ تھوڑی دیر میں اپنے شیدا کو غمگین دیکھ کر کھلکھلا کر گلے سے لپٹ جانا اور کہنا۔ ہیں تم چپ کیوں ہو گئے۔ ہم تو مذاق کرتے تھے۔ لو ذرا ہنس تو دو اچھا دیکھو اب خاموش رہو۔ تو ہماری مردہ دیکھے۔ آف اس راز و نیاز کے مزے مجھ۔ وہی خوب لے سکتا ہے جو ہماری طرح سے تشنہ دل و دل آشفتہ جگر ہو۔ الہٰی خیر۔ ارے بھئی ماسٹر جی تو بھی آج تم کو کس قسم کا بخار ہو گیا ہے کہ جب سے آئے ہو نہ دعا نہ سلام نہ مزاج پرسی ہاں کمبخت بے مروت حسینوں کا رونا روئے جاتے ہو۔ حضرت بتلاؤں دو دن۔ بھئی ہیچ نہیں تم ہم کو دیوانہ خیال کرو گے۔ کر لیا کروں جب سے دیکھا ہے کمبخت دل پہلو میں مرغ نیم بسمل کی طرح پھڑک رہا ہے۔ طبیعت کسی طرف رجوع ہی نہیں ہوتی۔ ارے بھئی آخر کیا دیکھا۔ کیا چاوڑی بازار میں چلتے پھرتے ہی آنکھ۔ لیلیٰ کا جلوہ دیکھ لیا۔ یار تیرے منہ تو سب ہی چوٹی کی۔ مگر آپ جناب تو صرف خیالی پلاؤ کرتے ہیں۔ ایک دیکھ لیا دل شاد کیا۔ خوش وقت ہو گئے اور چل نکلے حضرت خدا کے لئے ان شاہدان بازاری کے دام میں نہ پھنسئے مگر وہاں ان کا منظر کہیں سے کہ مفت آ جائے تو مال اپنا ہے۔ تو شاید کسی

حضرت آپ خاتون کو راہ چلتے کواڑوں کی دراڑوں میں سے دیکھ لیا قبلہ تو وہ بیگمات اور دولت ایسے نہ ہب سے نہیں ہیں۔ جو زمانہ بھر کی بہو بیٹیوں کو تکتے پھریں اور حضرت اب اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اب تو پردہ نشینیں گھر سے کھلے بندوں۔ مرکبنی گھنٹے کی طرح پھرنے کے آرڈر پاس ہو چکے جاتے ہیں۔ واللہ ہم جیسے عاشق مزاجوں کی تو خوب آنکھیں سک جائیں گی۔ ارے میاں تو کچھ معصوم بھی ہو۔ آخر کیا دیکھا۔ کیا بمبئی کے پارسیوں کی مشہور کمپنی میں کسی شوخ طبیعت مجمل ادا ایکٹرس کو دیکھ لیا۔ اجی حضرت لاحول پڑھو میاں پیٹ بھرنے کے لئے تو کافی ذریعہ ہے ہی نہیں بھلا تھیٹر کے لئے پیسے کہاں سے آتے۔ بھئی سچ اب تو ناٹک کمپنیوں کا بھی رونگ رہا گیا۔ کیونکہ وہ صاحب ذوق خوش طبیعت لوگ جنکے سے روز مرہ تھیٹر کا جانا گویا ایک ضروری فرمان ہو گیا تھا اب انکم ٹیکس کے خوف سے مہینہ وار بھی مشاہدہ نہیں جاتے۔ مگر قبلہ ہم نے جو جو کچھ دیکھا۔ وہ ایکٹریس ناٹک سے بھی دو چار بالشت زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ تو کہو تو بتلا دوں۔ اچھا سنو ہم نے آج رات کو ایک ایسا ترا دینے والا خواب دیکھا۔ کہ بس اب تک دل بیقرار ہے۔ بات یہ ہوئی۔ کہ آج جو شب رات کے وقت رشک فردوس بنے بازار جادوگری سے سیر گشت لگا کر اور حوران بہشتی کے شمع حسن سے آنکھیں سینک کر دولت سرا پر تشریف لائے۔ تو بچھونے پر لیٹتے ہی تھے۔ کہ اسی خیال میں سو رہے واللہ نیند بھی کیا عجیب چیز ہے کہ انسان پلنگ پر پڑے پڑے بمبئی کلکتہ جرمن۔ فرانس ہر جگہ کی سیر کر سکتا ہے۔ بس حضرت جب دیدۂ ظاہری بند اور دیدۂ باطنی وا ہوئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ بندہ درگاہ ایک بہشت جیسے مگر پر فضا باغ میں ایک نرگس کے تختہ پر کھڑے ہوئے ہیں۔ بھئی سچ تمہارے سر اقدس کی قسم کہ جب اس باغ کی سوزنی اور فضا یاد آجاتی ہے۔ تو دل لوٹ جاتا ہے۔ وہ سوزوں اور چہچہوں کی کیا بیان۔ کہیں نرگس کی دیدہ بازی۔ کہیں سوسن کی زباں درازی کہیں سنبل کا پیچ و تاب کھانا۔ کہیں لالہ کا خون بہانا۔ کوئل کی کوک۔ پپیہے کی ہوک۔ قمری کا حق سرو کی رٹ لگانا۔ غرض قبلہ اگر سارا فوٹو کھینچوں تو یقین ہے کہ آپ کے کالموں میں کسی دوسرے نامہ نگار کا مضمون درج کرنے کی جگہ باقی نہ رہے۔ بس اور دولت روشوں پر ٹہلتے ٹہلاتے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاتے مستانہ وار پھر رہے تھے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ

ایک طرف سے ایک رشک حور سراپا نور پری جمال۔ زاہد فریب مستانہ وار خراماں خراماں آتی ہوئی دکھائی دی۔ خدا جانے اس موہنی صورت میں کس قیامت کی کشش تھی کہ اینجانب کا دل بیقابو ہی تو ہو گیا بس اس وقت کا عالم کوئی ہم سے پوچھے۔ دل بیقرار تو یہ کہتا تھا۔ کہ چل اور خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ ایک دفعہ گلے سے لگا کر ارماں نکال لے اور رعب حسن کا تقاضا تھا کہ خبردار۔ تو نے قدم آگے بڑھایا۔ اور برق حسن تڑپ کر گری۔ ہم اسی کشمکش دبیج میں کھڑے تھے۔ کہ وہ رشک فریب بت طناز پاس ہی آگئی یہاں رعب حسن سے ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑا ہوا تھا۔ مگر سچ ہے ؎

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود
گر نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود

وہ حور وش خود ہی آکر ہم سے یوں ہمکلام ہوئی ہے۔

مہ جبین۔ آپ کون ہیں۔!
ہم۔ شمع حسن کا ایک پروانہ۔
مہ جبین۔ آپ کے یہاں آنے کا باعث؟
ہم۔ اگر باعث ناراضی نہ ہو۔ تو عرض کروں۔
مہ جبین۔ نہیں تم بے خوف بیان کرو۔
ہم۔ پہلے آپ قسم کھائیں کہ جو کچھ میں کہوں گا۔ قبول ہو گا۔
مہ جبین۔ اچھا خوب۔ اگر آپ کسی اور بات کی خواہش کریں تو۔
ہم۔ نہیں بہت ادنے سوال ہے۔
مہ جبین۔ اچھا ہمیں اپنے حسن و شباب کی قسم منظور کرینگے۔
ہم۔ اچھا تو میرے یہاں آنے کی تمنا یہ ہے کہ ایک دفعہ خوشی آپ اپنی ہم آغوشی کی اجازت دیں۔
مہ جبین۔ کیا خوب۔ چوٹ نے ہی گال کاٹا
ہم۔ تو بس۔ ایفائے وعدہ کیجئے۔
مہ جبین۔ ذرا منہ تو بنوا لو۔
ہم۔ للہ زیادہ نہ ترساؤ۔
مہ جبین۔ اچھا آنکھیں بند کرو۔
ہم۔ یہ لو۔
مہ جبین۔ گود میں بیٹھ کر۔ دیکھو تمہیں ہمارے جوبن کی قسم

جو تمہیں ہاتھ لگاؤ۔

بس قبلہ اب اپنی خبر سے نڈر ہو گیا۔ اور بیقرار ہو کر کچھ دور ارادہ کیا تھا کہ پٹ سے آنکھ کھل گئی۔ اب تو میں بڑی بڑی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہر طرف دیکھا۔ مگر پلنگ پر سوائے ایک تکیہ کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ ہائے اس وقت کی بیقراری کچھ ہمارا ہی دل خوب جانتا ہے۔ بار بار زبردستی آنکھیں بند کر کے لیٹے کہ شاید پھر وہی سماں نظر آ جائے۔ مگر وہ اب تو وہ منظر ایسا غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ یا دہلی سے الفریڈ ناٹک کمپنی۔ آخر دل کو مسوس کر پڑ رہے۔ آنکھ لگنی تھی کہ سویرا ہو گیا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ کہو کیا سمجھے کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

راقم طراز دہی زمانے سے نثار الحسن پرست اور گچھو دہلوی۔

چین کی چوں چوں

مشاہدے سے ثابت ہو رہا ہے کہ قدرت نے زمانہ کی ہر چیز کو ایک شکل سے دوسری صورت میں تبدیل ہونے کے لئے وضع کیا ہے۔ جو شے آج ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ کل وہ ایسی ہیئت بدل لیتی ہے کہ گزشتہ صورت اور موجودہ ہیئت میں فرق کرنا پھر بھی کہیر کے مصداق ہو جاتا ہے۔ قدرتی شعبدہ باز مداری کے ہاتھ کی صفائی اس غضب کی ہے۔ کہ پرانے کھیل تماشہ کے جیسے بجتون کو بانسلی کی ایک ہی ٹھوکر میں غائب غلہ کر کے دوسری طرح کا سبز باغ (آم کی گٹھلی کا) زمانہ بھر کی نظر میں فقط بازبان گھما کے دکھا دیتا ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ چینی سلطنت چینگ مین عین تھی اور ہر سلطنت کی چڑیوں کی چوں چوں کرنے پر چیں چیں کیا کرتی تھی جس نے غوغش کی چیں ہونے لگی۔ لو اب یہ بھی اپنی چین چین کو ولایتی چڑیوں کی چوں چوں سے بدلنے کے لئے پر و بال جھٹک رہی ہے افیون کی بندش کرتے ہی ساری چنڈو باز قوم کو چونکا کے ہر سلطنت سے چوکنا کر رہی ہے کہ وہ بری کی گھاتیں۔ نئی حکمت عملیوں کی باتیں چھانٹنے لگی۔ اپنی ہمعصر سلطنتوں سے جنگ جوئی کے طریقے اور لڑنے مرنے کے ڈھنگ پوچھ پوچھ کے اپنے بندھک بازوں کے دفتر میں مشغول کر رہی ہے۔ تاکہ یہ سب چیں بچاؤ کرنے والے پرندے جھاڑ کے مطابق بند ہو جائیں۔ یوں تو یہ پہلے ہی ہشیار سی

جاتی تھی۔ مگر اب بمبو نگالی چینک کے او مجھے کو لطیفہ بہانہ کا مصداق ہو رہی ہے۔ مثل ہے۔ بارہ برس پیچھے گھوڑی کے بھی دن پھرتے ہیں۔ سچ ہے سہ

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

راقم سید عطا ہو دیبانوی

کالا کوا

چندر خصت ہوا تو سپہر نے نکالا کوا	شب دیجور کے مانند ہے کالا کوا
نافہ مشک ختا ماسکی ادا ان پہ نثار	یہ مری جان مرا تازہ [illegible] کالا کوا
دن کو تو ہوتا ہے یہ سایہ فال خورشید	چاندنی رات میں ہے کیکر کا کالا کوا
چند صاحب کو کہا کرتا ہے یہ ملعون جابر	اور چندن کو کہا کرتا ہے کالا کوا
سیر ملکوت کی کر یا کہ چلا جا لندن	اب تری آنکھ میں بھی [illegible] کالا کوا
چہچہے کرتے جو اب بیچ کے اڑاتا ہے	ایسا عیار کہیں دیکھا نہ ابھا کالا کوا
جو بچ بجوں سے یہ کر [illegible] کا کھا	جی میں آئے ہے۔ تو اور شادی کالا کوا

دیگرہ وغیرہ۔ سٹر بچ۔ ہم تو بڑے بوجھ بجھکڑ ہو بتاؤ اس کالے کوے کی نظم کا مطلب کیا ہے۔

راقم ایک سیانا۔ یعنی بیچ کا کوا

نوٹ — سیر کی غلطی کی ڈگسائی کی ہم نے بھی فیج پڑھ کر دیکھیا۔ دعل تاب نہ آیا کالا کوا

رازدار ہیں

کلال	اس امر کے کہ کون کون مسلمان شرابی ہیں
قصائی	اس امر کے کہ کون گوشت خوار ہے۔
دودھ کا غار	اس امر کے کہ کون ایماندار ہے۔
اخبار	اس امر کے کہ گورنمنٹ کیا کر رہی ہے۔
کاتب اعمال	اس امر کے کہ کون کون گنہگار ہیں۔
ملک الموت	اس امر کے کہ کہاں کہاں ماتم ہوگا۔
سیٹھ ایمان چوکیدار	اس امر کے کہ کب کہاں چوری ہوگی۔
بل ڈاگ	اس امر کی کہ بلی سے کتے بار ہیں

راقم ستم - ظ